دینی معرفت، علامہ طباطبائی کی نظر میں

مؤلف: اسحاق طاہری سرتشنیزی
مترجم: بنت زینب

دینی منابع کے مطالعہ سے حاصل ہونے والے علم کو دینی معرفت کہتے ہیں۔ لغت میں مطلق علم و آگاہی کو معرفت کے نام سے جانا جاتا ہے چاہے وہ حسی امور ہوں یا محسوس نہ ہونے والے امور۔ دینی مباحث میں بھی معرفت، علم وآگاہی کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔[۱] دین کی اس طرح تعریف کی گئی ہے:

> "خدائے واحد کے وجود پر اعتقاد رکھنا، ایسا خدا جو جامع صفات کمالیہ ہے اور جس نے کائنات کو حکمت و عدل کی بنیاد پر خلق کیا ہے اور انسان کو کمال کے حصول کے لئے اس میں قرار دیا ہے۔"

عقل، فطرت اور انبیائے الٰہی انسان کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں اور اس کے بعد علمائے ربانی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دین کے نقطہ نظر سے اس دنیا میں انسانی حیات کا صرف ایک مقصد اور فلسفہ ہے۔ دین مندرجہ ذیل چار سوالوں کا جواب دینا چاہتا ہے:

۱. اپنی ذات سے انسان کا تعلق
۲. اللہ تعالیٰ کی ذات سے انسان کا تعلق
۳. جہان ہستی سے انسان کا تعلق
۴. اپنے ہم نوع سے انسان کا تعلق[۲]

۱۔ حسینی زادہ، محمد، مبانی معرفت دینی، ص ۲۱
۲۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ص ۱۳-۱۴

علامہ طباطبائی دین کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"عقائد، اخلاق و عملی احکام کا ایک مجموعہ جسے پیغمبروں نے اللہ تعالی کی طرف سے بشر کی ہدایت کے لئے پیش کیا ہے، دین کہا جاتا ہے۔"[۱]

اس نقطہ نظر سے دین ایسے حقائق و اقدار کا مجموعہ ہے جو وحی کے ذریعہ ہم تک پہنچتا ہے۔ معرفت اور دین کی تعریف پیش کرنے کے بعد اب ہم دینی معرفت کی تعریف پیش کر سکتے ہیں:

"دینی معرفت، عقائد، اخلاق اور احکام پر مشتمل الہی ادیان کی شناخت کا نام ہے۔"[۲]

معارف کے اس مجموعہ کو مسلمان دانشوروں نے مختلف علوم جیسے کہ فلسفہ، کلام، حدیث شناسی، فقہ، اصول، قرآن شناسی اور تفسیر کی شکل میں پیش کیا ہے جسے اسلامی علوم بھی کہا جاتا ہے۔

یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ ہر شخص دین یا دینی متون سے جو سمجھتا ہے اسے معرفت نہیں کہتے بلکہ معرفت وہ آگاہی و دانش ہے جسے علمائے دین اپنی محنت و مشقت سے حاصل کرتے ہیں۔[۳] دینی معرفت وہ علم ہے جسے عالمان دین، دینی منابع یعنی کتاب و سنت و عقل کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی معرفت بشری امور سے متعلق ہے جو عالم دین کے ذہن سے وابستہ ہے یعنی اس میں خطا و غلطی اور کمی و زیادتی واقع ہو سکتی ہے جب کہ اصل دین میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلام دین خاتم ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ دین اور دینی معرفت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر دین کے تعلق سے ہماری شناخت مکمل اور بغیر کسی غلطی کے ہے جیسے ائمہ معصومین کی معرفت، تو اس صورت میں ہماری دینی معرفت، حقیقت دین کے مطابق ہے ورنہ ہماری دینی معرفت ناقص ہو گی۔

حقیقت دین اور دینی متون میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین حقائق و اقدار کا ایک مجموعہ ہے جس کے بارے میں دینی متون حکایت کرتے ہیں یعنی دینی متون اور دین میں حاکی و محکی کی نسبت پائی جاتی ہے۔[۴]

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، رسائل توحیدی، ص ۳۱
۲۔ مبانی معرفت دینی، ص ۲۴
۳۔ خسرو پناہ، عبدالحسین، کلام جدید، ص ۹۵
۴۔ ایضاً، ص ۴۰

بعض دینی معارف کا ذکر دینی متون میں نہیں ملتا اور اسے ادلہ عقلی سے حاصل کیا جاتا ہے[۱]۔ دینی معرفت کے موضوع پر گفتگو کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ ہم دینی معرفت کے منابع و مآخذ کی طرف بھی توجہ کریں کیونکہ بعض دینی معارف غیر مکتوب منابع سے حاصل ہوتے ہیں۔

کیا ہم دینی معرفت حاصل کر سکتے ہیں: دینی معرفت شناسی کے موضوع پر گفتگو کرتے وقت، سب سے پہلے یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا ہم دینی معرفت حاصل کر سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کے بعض حصوں تک عقل کی رسائی ممکن نہیں ہے لیکن کیا ہم اسلام کے بنیادی تعلیمات تک عقل کے ذریعہ رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟ بیشتر مسلمان مفکرین کا یہ ماننا ہے کہ عقل کے ذریعہ دین کے بعض حصوں کا علم ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ دینی اعتقادات کے حصول میں عقل کے کردار کو اہم بتاتے ہیں۔ علمائے دین کا یہ ماننا ہے کہ اگرچہ دین کے بعض حصے جیسے کہ عملی احکام اور فروع دین میں عقل کا کوئی مستقل کردار نہیں ہے لیکن ان احکام کو ہم عقل کے حکم کے بنیاد پر ہی تعبداً قبول کرتے ہیں لیکن اصول دین یعنی اعتقادات میں عقل کا اہم رول ہوتا ہے۔ شیعہ اخباری جو نقل پر زیادہ دھیان دیتے ہیں اور دین کی شناخت میں عقل کو ایک مستقل ذریعہ نہیں مانتے، وہ بھی اصول اعتقادات میں عقل سے استناد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

علامہ طباطبائی ان قرآنی آیتوں سے استناد کرتے ہوئے جن میں لوگوں کو حصول علم و معرفت کی طرف دعوت دی گئی ، دینی معرفت کے حصول میں عقل کے اعتبار کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے بعض آیتوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تشریع و تکوین کا مقصد علم آموزی ہے، علم و دانش کی وجہ سے انسان دوسری مخلوقات سے برتر و افضل ہے اور شقاوت و بدبختی کی اصل وجہ جہالت و نادانی ہے۔ ان ساری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے لئے حصول معرفت لازم و ضروری ہے۔ دینی معرفت کے حصول کا دروازہ سارے انسانوں کے لئے کھلا ہے اور ہر انسان اپنی صلاحیت و سعی و کوشش کی بنیاد پر معارف الہی سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مختلف انداز اور تعبیروں میں انسان کو اس شناخت و معرفت کے حصول

۱۔ لاریجانی، صادق، معرفت دینی، ص ۱۲

کی دعوت دے جس کا حصول ناممکن ہے؟کیا یہ درست ہے کہ قرآن دسیوں بار تفقہ، تدبر، تعقل، شعور اور علم جیسے الفاظ کا استعمال کرے اور عملی طور پر تحصیل علم انسان کے لئے ممکن نہ ہو، لہٰذا یہ ماننا ہوگا کہ شناخت و معرفت کا دروازہ سب پر کھلا ہوا ہے اور ہر شخص اپنی صلاحیتوں اور محنت کی بنیاد پر معارف الٰہی سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔[1]

علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں اس بارے میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> "اسلام کی ہدایت علم و معرفت کی بنیاد پر ہے نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ دین چاہتا ہے جہاں تک ممکن ہے انسانوں کے دلوں کو علم سے پر کردے کیونکہ دین کا مقصد معرفت ہے اور معرفت بغیر علم کے حاصل نہیں ہوگی۔"[2]

دینی معرفت کے پرکھنے کا معیار: یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم دینی معرفت کو کس طرح پرکھ سکتے ہیں۔ ہر انسان کے کچھ نظریات اور عقائد ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ صحیح اور بعض غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسا معیار ہونا چاہئے جس سے ہم یہ اندازہ لگا سکیں کہ کون سا عقیدہ صحیح ہے اور کون سا غلط ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کوئی معیار موجود بھی ہے یا نہیں اور اگر موجود ہے تو کیا ہے اور ہم کیسے ان معیاروں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ فلسفہ کی تاریخ میں ایسے بہت سے افراد ملیں گے جن کا یہ ماننا تھا کہ صحیح و غلط کی تشخیص کے لئے کوئی معیار نہیں ہے اور اسی وجہ سے وہ شکاکیت کا شکار ہو گئے اور حقیقت کے شیدائی فلسفیوں کے مقابلہ میں قد علم کیا۔

معرفت کی مختلف قسمیں ہیں جیسے کہ علمی معرفت، فلسفی معرفت، دینی معرفت وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی الگ شناخت ہے لہٰذا ان کو پرکھنے کا معیار بھی مختلف ہے۔ علمی معرفت کے پرکھنے کا معیار کچھ اور ہے اور فلسفی معرفت کے پرکھنے کا معیار کچھ اور ہے۔

دینی معرفت کے پرکھنے کے بھی مختلف معیار ہیں۔ مثال کے طور عقل غیر مشوب، وحی تبلیغی کے مسلمات و محکمات، کلام و کردار معصومین علیہم السلام کے مسلمات، فطری مسلمات، مبانی جہان شناختی، دینی

۱۔ فعالی، محمد تقی، امکان معرفت در قرآن، ص ۱۲۵

۲۔ طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان (جلد ۳) ص ۹۲

انسان شناسی یا دوسرے ضوابط سے ہم حاصل شدہ معرفت کو پرکھ سکتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم صرف قرآن و سنت کے معیار ہونے پر گفتگو کریں گے۔ دینی معرفت کے پرکھنے کا ایک معیار، سنت قطعی ہے یعنی دینی فہم کو معصوم علیہم السلام کی سنت سے تطبیق دی جاتی ہے۔ اگر ہماری دینی معرفت اور شناخت مکمل ہو گی تو ہم اصل دین سے زیادہ قریب ہوں گے کیونکہ رسول خداؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی دینی معرفت عین حقیقت دین ہے اور ان کی فکر میں کسی طرح کی خطا قابل تصور نہیں ہے لہٰذا معصوم علیہ السلام نے جو دین کے بارے میں بتایا ہے ہم اسے اپنی معرفت کا معیار بنا سکتے ہیں لیکن غیبت امام معصوم میں یا جب ان کے معارف دستیاب نہیں ہیں، تو ایسے مواقع پر ہماری دین فہمی میں دوسرے معارف بشری کی طرح تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔

البتہ یہ ذہن میں رہے کہ یہاں پر سنت قطعی مراد ہے نہ کہ ہر طرح کی حدیث و روایت۔ ہمارے اسلاف سے جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں، ان کا ہماری قرآن فہمی اور تفسیر میں اہم کردار ہے لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ، غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے یہ احادیث تحریف سے دوچار ہو گئی ہیں۔ اسی وجہ سے صحیح حدیث کی شناخت کے لئے کچھ معیار بتائے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم معیار یہ ہے کہ روایات کو کتاب خدا اور آیات محکم کی کسوٹی پر پرکھو جس کی طرف پیغمبر اکرمؐ نے تاکید کی ہے۔ اس بنیاد پر کتاب خدا سے میل کھانے والی روایات صحیح اور قرآنی آیتوں کی مخالف حدیثیں باطل ہیں۔ یہاں پر کتاب سے مراد محکمات دین اور بدیہیات عقلی ہیں جن میں سنت مستحکم اور برہان عقلی بھی شامل ہیں۔[۱]

اگر سنت کی قطعیت ثابت ہو جاتی ہے تو ہم اسے دینی معرفت کو پرکھنے کا معیار بنا سکتے ہیں ورنہ ان روایات اور سنت کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے کیونکہ مسلمانوں کی تشریعی کتاب یعنی قرآن میں کسی طرح کی تحریف اور کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی ہے۔

مرحوم علامہ طباطبائی اپنی کتاب تفسیر المیزان میں دین فہمی میں عقل کے استعمال کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے، قرآن و سنت کو معرفت کے پرکھنے کا معیار بتاتے ہیں:

”مسلمانوں پر واجب ہے کہ حقائق دین میں غور و فکر کریں اور معارف دین میں

۱۔ معرفت، محمد ہادی، عرضہ بر قرآن راہ زدودن آسیب ہای تفسیر روائی، ص ۷۰

اجتہاد کریں۔ اگر ان کو کوئی شبہہ ہو یا کوئی بات معارف دین کے خلاف لگے تو لازم ہے کہ اس نظریہ یا شبہہ کو کتاب خدا کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر جواب مل جائے اور شبہہ رفع ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس شبہہ کو احادیث رسولؐ یا ان کے جانشینوں کی روایتوں کی کسوٹی پر پرکھیں تا کہ اس کا شبہہ رفع ہو سکے یا اس کے نظریہ کا بطلان ثابت ہو سکے۔"[۱]

بہ طور خلاصہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ معارف الٰہی سے جو مطالب ہم اخذ کرتے ہیں ان کو پرکھنے کے لئے مختلف راستے موجود ہیں اور سب سے متقن اور یقینی راستہ اپنی معلومات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا ہے اگر ہماری معرفت ان کے مطابق ہے تو قابل اعتماد ہے ورنہ اسے قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے۔

خداشناسی: جس طرح اعتقادی مسائل دین کی بنیاد اور حیات انسانی کی اساس ہیں، بالکل اسی طرح خداشناسی اور خداباوری بھی معارف اعتقادی کا سب سے اہم جز ہے۔ روایتوں کے مطابق: "اول الدیانة به معرفته"۔[۲] معرفت پروردگار دینداری کا پہلا قدم ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

اول الدین معرفته و کمال معرفته التصدیق و کمال التصدیق به توحیده۔ ترجمہ:

دین کی ابتدا اس کی معرفت سے ہوتی ہے اور کمال معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمال تصدیق اسے وحدہ لاشریک ماننا ہے۔[۳]

علامہ طباطبائی اس مسئلہ پر تاکید کرتے ہوئے، خداشناسی کو دینی معرفت کا پہلا مرحلہ بتاتے ہیں جس کے بغیر دین میں ورود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں، ان کی حقیقت دیر یا زود ختم ہو جائے گی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے اجزا بطلان ناپذیر حقیقت نہیں ہیں بلکہ کسی ثابت حقیقت پر تکیہ کی وجہ سے موجود ہیں اور جب تک اس سے متصل ہیں تب تک موجود ہیں اور اتصال کے ٹوٹتے ہی فنا ہو جائیں گے۔ اس ثابت حقیقت کو جو بطلان ناپذیر ہے، واجب الوجود یا خدا کہتے ہیں۔

۱۔ تفسیر المیزان (جلد ۴) ص ۲۰۷

۲۔ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی (جلد ۱) ص ۱۴۰

۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ اول

واجب الوجود کے وجود کو ثابت کرنے کے بعد اس کی معرفت کی باری آتی ہے۔ ایسی معرفت جو دیگر معارف کی کنجی ہے۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

> "جس طرح اللہ تعالی کا وجود ہر مخلوق کی خلقت کا سرچشمہ ہے، اسی طرح اس کی معرفت اور اس کی شناخت ہر واقع بین بصارت کو روشنی دینے والی ہے اور اس حقیقت کی طرف بے توجہی ہر طرح کی جہالت اور بے بصیرتی کا منشاء ہے۔ جو شخص معرفت حق کی طرف توجہ نہیں کرتا وہ کسی بھی طرح سے حقیقی سعادت و کامیابی کو حاصل نہیں کر سکتا۔"[1]

علامہ طباطبائی، انسان جیسے واقع بین اور فطرت الٰہی کے مالک وجود کے لئے خداشناسی کو ضروری اور قہری مانتے ہیں کیونکہ انسان اگر اپنے خداداد شعور کے ذریعہ خلقت کے گوشہ و کنار پر نظر ڈالے گا تو اسے دنیا کو خلق کرنے والے کا پتہ چلے گا۔

آپ کا ماننا ہے کہ خداشناسی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کے اندر خدا کی شناخت پیدا کی جائے بلکہ خداشناسی کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس روشن حقیقت سے منہ نہ موڑے جس کی روشنی کو کسی بھی پردے سے چھپایا نہیں جاسکتا ہے اور اپنے وجدان کی آواز پر لبیک کہے اور معرفت کا پیچھا کرتے ہوئے ہر طرح کے شک و تردید کو اپنے دل سے دور کر دے۔[2]

علامہ طباطبائی اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر یہ مانتے ہیں کہ مسئلہ توحید ایسا مسئلہ ہے جو کائنات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور ہر علمی و عملی قضیہ در حقیقت وہی توحید ہے جو دوسرے علمی قضایا کے لباس میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کی صحیح شناخت کے ذریعہ انسان دیگر علمی اور دینی معارف کو بھی سمجھ سکتا ہے۔

توحید اور اللہ تعالی کی شناخت، دینی معرفت کا ایک اہم باب ہے لیکن علامہ طباطبائی کا ماننا ہے کہ خداشناسی تبھی حقیقی معرفت پر منتہی ہوگی جب وہ یقین کی حد تک پہنچ جائے۔ آپ قرآنی آیتوں کا حوالہ

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، تعالیم اسلام، ص ۱۹۸

۲۔ ایضاً، ص ۲۰۰

دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یقین کے ذریعہ خداشناسی حاصل ہونے سے انسان دین کی حقیقی معرفت حاصل کرلیتا ہے۔

اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات پر یقین اور تہذیب نفس میں اٹوٹ رشتہ ہے اور ہم تہذیب نفس اور عبودیت کی راہ میں سلوک کے ذریعہ ہی اس یقین تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ وہی فطری خداشناسی ہے جو خودسازی اور بزرگان دین کی تعلیمات اور نصوص دینی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

دین پر یقین: دینی معرفت کے حصول کے لئے خدا کی ذات پر یقین کے علاوہ دین باوری کی بھی ضرورت ہے۔ دینی معرفت اسی وقت حاصل ہوگی جب دین کا ایک صحیح تصور ہمارے ذہن میں ہوگا اور اس کے مختلف اجزا کی شناخت ہوگی۔ اس کے حصول کے لئے شناخت اور قلبی اقبال کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ دین پر یقین اور اعتقاد نہ ہونے کی صورت میں، دینی معرفت کے لئے کوئی بھی کوشش وقوع پذیر نہ ہوگی۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ دینی معرفت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک معرفت وہ ہے جب صاحب معرفت اس دین پر قلبی یقین نہیں رکھتا اور صرف دینی تعلیمات کے سلسلہ میں کچھ معلومات حاصل کرتا ہے۔ علامہ اس طرح کی معرفت کو زیادہ معتبر نہیں مانتے ہیں اگرچہ کبھی کبھی قلبی یقین بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

معرفت کی دوسری قسم وہ ہے جو توحید پر یقین اور اس نکتہ کو ذہن میں رکھ کر حاصل ہوتی ہے کہ دین کا انسان کی سعادت وکامیابی میں اہم کردار ہوتا ہے۔ اس طرح کی معرفت چونکہ دلی شوق پر استوار ہے اور اس کی جڑیں انسانی وجود میں پیوست ہیں لہٰذا صاحب معرفت کی زندگی میں معنی پیدا کرتی ہے، گویا اس کی خلقت کا مقصد ہی دین کی شناخت ہے اور وہ زندگی کے ہر لمحے میں دینی تعلیمات اور معرفت میں اضافہ کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کا نمونہ خود علامہ طباطبائی اور ان کے کچھ شاگرد ہیں۔

اس طرح کی معرفت کے بارے میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس معرفت کی وجہ سے دوسروں کی ہدایت کا جذبہ انسان میں بیدار ہوجاتا ہے۔ اس طرح کی معرفت رکھنے والوں کو یہ احساس رہتا ہے کہ معرفت حاصل نہ کرنے والے کتنے بڑے خسارے میں ہیں اور وہ لوگ پوری کوشش کرتے ہیں تاکہ اس معرفت کی حلاوت سے ان لوگوں کو آشنا کریں۔ علمائے ربانی بندوں کی ہدایت کی راہ میں پیش آنے والے موانع اور مشکلات کا اسی جذبہ کے تحت مقابلہ کرتے ہیں۔ دینی معرفت کے لحاظ سے پہلا مرتبہ پیغمبر اسلامؐ کا

ہے اور اس کے بعد ائمہ اطہار علیہم السلام اور پھر علمائے ربانی کا رتبہ ہے۔

علامہ طباطبائی تاکید کرتے ہیں کہ اس طرح کی معرفت کا فردی اور اجتماعی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔انسان کو اپنی زندگی میں ایسا راستہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کی دنیاوی اور اخروی ضرورتیں پوری ہو سکیں اور وہ دونوں دنیا میں کامیاب ہوسکے۔اس طریقہ کو قرآن میں دین کہا گیا ہے۔قرآن کی نظر میں دین سماجی زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے جس میں کچھ قوانین و مقررات وضع کئے گئے ہیں تاکہ ان پر عمل کرکے انسان دنیاوی اور اخروی کامیابی کو حاصل کرسکے۔

علامہ کی نظر میں دین عقائد اور عملی و اخلاقی قوانین کا مجموعہ ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بشر کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے۔ان عقائد پر یقین رکھنے اور ان قوانین پر عمل کرنے سے دونوں جہاں میں انسان کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔اس نقطہ نظر سے دین کے تین حصے ہوتے ہیں: اعتقادات، اخلاق اور اعمال (احکام)

دین کے مختلف جوانب کو مد نظر رکھتے ہوئے، مرحوم طباطبائی کا یہ ماننا ہے کہ دین کا واحد مقصد یہ ہے کہ انسانی فطرت میں موجود عقل منطقی اور برہان کی طاقت سے استدلال کرتے ہوئے، لوگ ماورائے طبیعت کے حقائق کو درک کرسکیں[1] لہٰذا دین کے مختلف جوانب، ابعاد اور اہداف کو پہچاننے کے بعد ہم اس کے اجزا کی معرفت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں۔

فطرت کی بنیاد پر انسانی شناسی: دینی معرفت کے حصول کے لئے ایک اور اہم عنصر، انسان باوری یا انسان کی شناخت ہے جو دین کی توجہ کا مرکز ہے۔یہ دیکھنا چاہئے کہ انسان اپنی کس خصوصیات کے ذریعہ دین کا مخاطب بنتا ہے۔اور اس کی طرف سے دین کی معرفت کس طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

آسمانی ادیان خاص کر اسلام میں اللہ تعالی کے موضوع کے بعد، انسان کو سب سے محوری حیثیت حاصل ہے۔اس کائنات کی خلقت، ارسال رسل اور انزال کتب جیسے امور صرف و صرف اس لئے وقوع پذیر ہوئے ہیں تاکہ انسان سعادت و کمال کے معراج کو حاصل کرسکے۔[2]

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، علی و فلسفہ تاریخ، ص ۱۹

۲۔ رجبی، محمود، انسان شناسی، ص ۱۵

انسان کو حکم طبیعت اور فطرت الٰہی کی بنیاد پر دین کی ضرورت ہے کیونکہ مسیر حیات میں انسان ہمیشہ سعادت و خوشبختی کے حصول کے لئے تگ و دو میں ہے اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کچھ اسباب و علل کی مدد حاصل کرتا ہے تاکہ مقصد تک پہنچنے میں اس کی مدد کر سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی فطرت کی بنیاد پر اپنی کامیابی کے لئے ایسے علل و اسباب چاہتا ہے جو مغلوب نہ ہوں اور ایسی تکیہ گاہ کا طالب ہے جو کبھی بھی معدوم نہ ہوں تاکہ وہ اپنی زندگی کو اس سے مرتبط کرلے اور اندرونی سکون و آرامش حاصل کرے۔ دین بھی یہی چاہتا ہے اور دین وہی حیات بخشنے والا راستہ ہے جو اللہ تعالی سے تعلق بنانے پر توجہ دیتا ہے۔

انسان کی فطری چاہت ایک بہترین دلیل ہے جس کے ذریعہ توحید، نبوت اور معاد کو ثابت کیا جاسکتا ہے کیونکہ فطری ادراک کبھی بھی خطا نہیں کرتی۔علامہ طباطبائی اس حقیقت کو درک کرتے ہوئے دین کے موضوع پر اپنی زیادہ تر توجہ انسانی فطرت پر مرکوز رکھتے ہیں۔آپ تحریر کرتے ہیں:

> "انسان کی حقیقی زندگی کا راستہ جو اسے حقیقی سعادت و خوشبختی سے ہم کنار کراتا ہے، وہی راستہ ہے جس کی طرف فطرت اور طبیعت انسان کو ہدایت کرتی ہے جس کی بنیاد حقیقی مصالح و منافع پر ہے۔"[۱]

اسلامی قوانین اور دوسرے مدنی قوانین میں یہی فرق ہے کہ دوسرے مدنی قوانین میں معاشرہ کی اکثریت کی رائے کو مد نظر رکھا جاتا ہے لیکن اسلامی قوانین طبیعت و فطرت کے مطابق ہے جس سے اللہ تعالی کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ طباطبائی کی نظر میں فطرت کی صحیح شناخت، الٰہی قوانین کا محور ہے اور اس کے ذریعہ معارف دینی کو آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر انسان خود کو اور اندرونی خصوصیات کو پہچان لیتا ہے تو خود پر اس کا یقین بڑھ جائے گا اور ایسی حالت میں وہ حقیقت سے قریب معرفت کو حاصل کرنے میں زیادہ کامیاب ہوگا اور سعادت و کامیابی کا حصول بھی قطعی ہو جائے گا۔

دین اسلام کے حقائق کو قرآن و سنت کی صورت میں انسانوں کے حوالہ کردیا گیا ہے تاکہ وہ مختلف

۱۔ تفسیر المیزان (جلد ۱) ص ۶۱

ذرائع سے دینی معرفت کو حاصل کر سکیں لہذا دینی معرفت کے حصول میں انسان کا کردار بہت اہم ہے۔ علامہ طباطبائی کی نظر میں عقل ایک اہم ذریعہ ہے جو ذریعہ ہونے کے علاوہ دوسرے دینی منابع کی طرح خود بھی ایک منبع ہے۔ انسان کا اپنی عقل کی طاقت پر یقین رکھنا نیز اپنی ضرورتوں کی دقیق شناخت اس راستہ کا ایک اہم حصہ ہے جس پر چل کر انسان شارع کے مقصود کو سمجھ سکتا ہے اور دینی معرفت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

علامہ طباطبائی صحیح شناخت کے باب میں بھی کچھ نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے کشف حقیقت کی راہ میں انسانی معرفت ثمر بخش ہوتی ہے۔ آپ معرفت نفس اور نفس کو رذائل و ناپاکیوں سے مبرا کرنے پر تاکید کرتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے انسان کی توجہ مادیات کی طرف جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ مبدا و معاد کی شناخت میں کمزور ہوتا جائے گا۔

آپ کی نظر میں شناخت نفس کا طریقہ وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہم حق تک پہنچ سکتے ہیں۔ مؤمن کا نفس وہ راستہ ہے جو اللہ تعالی تک جاتا ہے اور یہ نفس مؤمن کی ہدایت کا راستہ ہے۔

بیرونی دنیا اور اندرونی دنیا کے درمیان عمیق رابطہ: اس کائنات میں موجود نظم وہماہنگی سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا ہر جز دوسرے اجزا پر اثرانداز ہوتا ہے اور معمولی سے ایک ذرہ میں اگر جنبش پیدا ہوتی ہے تو اس کی وجہ دوسرے اجزا ہیں۔ انسان بھی اس کائنات کا ایک جز ہے جس کا کائنات کے دوسرے اجزا سے تعلق ہے۔ اس میں بذاتہ استقلال نہیں پایا جاتا اور اس کے اندرونی نظام سے لیکر اس کے کردار و برتاؤ تک پر اس کائنات کے مختلف اور بے شمار اجزا اثرانداز ہوتے ہیں۔[1]

دوسرے رخ سے اگر دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ انسان کی زندگی پر حاکم قوانین و مقررات کی بنیاد، وہ تصور ہے جو انسان اس کائنات کے سلسلہ میں اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔ جو لوگ اس کائنات کو مادی دنیا میں خلاصہ کرتے ہیں، وہ چند روزہ دنیاوی لذتوں کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور طبعی حالات اور ماحول کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں انسان ایک مادی شئے ہے اور موت کے بعد اس کا خاتمہ ہو جائیگا، لیکن وہ لوگ جو یہ مانتے ہیں کہ انسان ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور وہ

۱۔ تفسیر المیزان (جلد ۱) ص ۱۲۵

اپنے اچھے اور برے اعمال کا ذمہ دار ہے یعنی روز جزا پر ان کو یقین ہے جیسا کہ ادیان الٰہی کا ماننا ہے، تو ایسے افراد زندگی میں ایسے راستہ پر چلتے ہیں جس میں یہ اعتقادی اصل ملحوظ خاطر رہے جس سے دونوں دنیا میں کامیابی کی ضمانت مل جائے۔

علامہ طباطبائی نے اس موضوع میں بھی اپنی گفتگو کو انسانی فطرت پر استوار کیا ہے۔انسان کی کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق باہری دنیا ہے۔دوسرے مفکرین نے بھی اس موضوع پر توجہ دی ہے لیکن علامہ نے ایک نئے منظر سے اسے پیش کیا ہے۔ آپ کی نظر میں سب اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورتوں اور اس کائنات کے اجزا میں تعلق برقرار کرتا ہے۔ مثلاً انسان بھوک اور غذا یا پیاس اور پانی کے درمیان تعلق بناتا ہے۔اور پھر کائنات کے مختلف اجزا میں اس تعلق اور رابطہ کو کشف کرتا ہے:

> "مثال کے طور پر نظام آفرینش نے اگر انسان کو زمین پر جگہ دی ہے تو اس کے وجود اس طرح بنایا ہے کہ زمین کے ماحول سے وہ سازگار ہوسکے۔اگر خلقت نے روٹی پیدا کی ہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے پیر اور اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ، اس کو کھانے کے لئے منہ، اس کو چبانے کے لئے دانت دیا ہے اور یہ سب زنجیر کے حلقوں کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور اس کا مقصد اس مخلوق کو اس کے ہدف خلقت تک رہنمائی کرنا ہے۔"[1]

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فطری خواہشوں اور کائنات میں ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔جب ہم انسان اور کائنات کے درمیان رشتہ کے بارے میں جان لینگے تو انسان کی ضرورتوں اور اس کو پورے کرنے والے خارجی عوامل کی بھی شناخت ہوجائے گی جس سے شریعت الٰہی کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور معرفت دینی محقق ہوگی۔

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، شیعہ در اسلام، ص ۱۰۴

منابع و مآخذ

❖ قرآن کریم
❖ نہج البلاغہ
❖ جعفری، محمد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۴۸
❖ جوادی آملی، عبد اللہ، منزلت عقل در ہندسہ معرفت دینی، تنظیم و تحقیق از احمد واعظی، اسراء، قم، ۱۳۸۶
❖ حسین زادہ، محمد، مبانی معرفت دینی، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۱
❖ حسین زادہ، محمد، امکان دستیابی بہ معرفت عقلی در حوزۂ دین، معرفت فلسفی، شمارہ ۲۱، ۱۳۸۷
❖ خسرو پناہ عبد الحسین، انتظار بشر از دین، پژوہشگاہ فرہنگ و اندیشہ اسلامی، قم، ۱۳۸۰
❖ خسرو پناہ عبد الحسین، کلام جدید، مرکز مطالعات وپژوہش ہای حوزہ ہای علمیہ، ۱۳۸۳
❖ رجبی، محمود، انسان شناسی مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۱
❖ رشاد، علی اکبر، دیباچہ ای بر منطق فہم دین، قبسات، شمارۂ ۲۷، بہار ۱۳۸۲
❖ طباطبائی، محمد حسین، شیعہ در اسلام، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸
❖ طباطبائی، محمد حسین، تعالیم اسلام، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸
❖ طباطبائی، محمد حسین، بررسی ہای اسلامی، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸
❖ طباطبائی، محمد حسین، رسائل توحیدی، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸
❖ طباطبائی، محمد حسین، اصول فلسفہ وروش ریالیسم، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۷
❖ طباطبائی، محمد حسین، بدایۃ الحکمۃ، مؤسسۂ نشر اسلامی، قم، ۱۳۷۴ق
❖ طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، ترجمۂ سید محمد باقر، دفتر انتشارات اسلامی، قم، ۱۳۷۴
❖ طباطبائی، محمد حسین، علی و فلسفہ الٰہی، ترجمہ سید ابراہیم سید علوی، مرکز مطبوعاتی دار التبلیغ اسلامی، قم
❖ فعالی، محمد تقی، امکان معرفت در قرآن، ذہن، شمارۂ ۳۱، پاییز ۱۳۸۶
❖ فعالی، محمد تقی، درآمدی بر معرفت شناسی دینی و معاصر، معارف، قم، ۱۳۷۹
❖ قلی پور، حسن، تأملی در امکان استعدادی فطرت، معرفت، شمارۂ ۱۳۳، ۱۳۸۷

❖ کلینی، محمد بن یعقوب الکافی، ۱۳۶۲

❖ لاریجانی، صادق، معرفت دینی، مرکز ترجمہ ونشر کتاب، تہران، ۱۳۷۰

❖ معرفت، محمد ہادی، عرضہ بر قرآن راہ زدودن آسیب ہای تفسیر روایی، ترجمۂ محمد سلطانی، معرفت، شمارۂ ۷۱، آبان ۱۳۸۲

❖ ہاک، سوزان، فلسفہ منطق، ترجمۂ سید محمد علی حجتی، طہ، قم، ۱۲۸۲